خواجہ میر درد کا صوفیانہ مسلک

شہناز پروین*

Abstract:

Khawaja Mir Dard Dehlvi is a great poet of the eighteenth century who put the complex philosophy of Sufism into poetic form. He did not present Sufism merely as a spiritual ideology, but adopted it as a code of conduct. Belonging to the Naqasgbandi Sufi tradition the sifu thought of this poet is based on obeying God and the path driven by Nabi Pak SAW. Dard's consciousness of Sufism is beyond the discrimination of color, race, religion and linguistic prejudice and favors love of humanity. Hid belief is Wahadat-uil-Shahudi ideology makes him see the reflection of God in everything. Inspite of his faith in mortality of the world, he never promoted lack of action, rather than his thought is based on pragmatism.

خواجہ میر درد دہلی اٹھارویں صدی عیسوی کی شعری روایت میں ایک منفرد پہچان رکھتے ہیں انہوں نے جس انفرادیت کے ساتھ تصوف جیسے پیچیدہ مسئلے کو شعریت میں ڈھالا۔ وہی سادہ، لطیف پر معنی اور پر اثر اندازِ بیان ان کی شناخت کا حوالہ ٹھہرا اس خوبی کی ایک سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تصوف کو صرف ایک نظری فلسفۂ روحانیت کے طور پر نہیں بلکہ طرزِ حیات کے طور پر سمجھا اور اپنایا اور ایک باعمل صوفی کی طرح اپنی زندگی بسر کی۔ فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

''ان کے کلام میں تصوف کی جو جھلک ہے وہ محض تقلیدی یا شنیدہ نہیں ہے وہ روایتی یا نظری بھی نہیں ہے بلکہ اس میں ایک اثباتی اور اجتہادی شان ہے۔''(۱)

خواجہ میر درد کی شخصیت کی ساخت پرداخت میں خالص صوفیانہ ماحول کارفرما رہا۔ ان کے والد خواجہ ناصر عندلیب کی وساطت سے ہی وہ تصوف کے اسرار و رموز سے واقف ہوئے۔ میر درد تصوف کے نقشبندی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے ان کی صوفیانہ فکر کی عمارت احکامِ خداوندی کی پابندی اور اتباعِ رسولؐ پر استوار ہے ان کے والد خواجہ ناصر عندلیب نے تصوف کے جس نئے سلسلے ''طریق محمدیہ'' کی بنیاد ڈالی۔ درد اس پر مستقل مزاجی سے قائم رہے اور تاحیات طریق محمدی پر کاربند رہنے کا درس دیتے رہے۔ اپنے رسالہ ''نالہ درد'' میں انہوں نے بیشتر مقامات پر اتباعِ شریعت پر خاص زور دیا۔ لکھتے ہیں:

* شعبہ اُردو، ایف۔ جی مارگلہ کالج، اسلام آباد

''شرح مصطفوی جیسی کوئی شرح اور طریقِ محمدیؐ جیسا کوئی طریق نہیں اس کے سوا باقی سب خیال خام ہے اور ہوا و ہوس کی پیروی ہے۔''(۲)

علم الکتاب میں لکھتے ہیں:۔

''ہماری محبت بھی محبت محمدؐ ہے اور ہماری دعوت بھی محمدؐ کی دعوت ہے اس طریق کو طریقِ محمدی کہنا چاہیے ہم نے اپنی طرف سے اس پر کچھ نہیں بڑھانا ہمارا مسلک بھی مسلکِ نبویؐ ہے اور ہمارا طریق بھی طریقِ مصطفویؐ ہے۔''(۳)

درد کے نقشبندی سلسلے میں ''طریق محمدی'' کی ایجاد دراصل فقط فروعی مباحث میں اُلجھے ہوئے علماء اور شریعت کی پابندی سے غافل نام نہاد صوفیاء کے مابین توازن کی ایک راہ ہموار کرتی ہے۔اس نظریے میں محبت بھی ہے اور تہذیب و شائستگی بھی خدا کی وحدانیت و ربوبیت کا اعتراف بھی ہے اور اتباعِ رسولؐ کی اہمیت کا اقرار بھی اور ساتھ ساتھ انسان کی اصل عظمت اور وقار بھی برقرار ہے۔

انتشار، افراتفری اور مذہبی مباحث میں افراط و تفریط کے شکار معاشرے میں ''طریق محمدیہ'' کی ایجاد کی اہمیت سے متعلق جمیل جالبی رقمطراز ہیں کہ:۔

''طریق محمدی میں قرآن و حدیث کی پیروی پر زور دیا جاتا ہے۔ دردؔ اسی سلسلے کے 'اول المحمدین' ہیں۔'' ''یہ سلسلہ انتشار و فرقہ پرستی کے اس دور میں اتحاد کا ایک نظام مہیا کرتا ہے جہاں سوائے اللہ کے کوئی شے قلب میں باقی نہ رہے۔''(۴)

درد کا تصوف صرف گفتار ہی نہیں بلکہ ان کے کردار و زیست کا زندہ اور متحرک وصف ہے۔ان کا اردو دیوان، فارسی دیوان اور فارسی نثری رسالے تصوف کے اسرار و رموز کے عکاس ہیں۔صوفی کے نزدیک عرفان ذات ہی عرفان الٰہی ہے وہ اس عقیدے کا قائل ہوتا ہے کہ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا گویا اس نے اپنے خدا کو پہچان لیا۔عرفانِ ذات اور پہچان کے اس سفر میں باطنی تطہیر کو اولیت حاصل ہے۔یہاں ضبطِ نفس کے تمام کٹھن مراحل طے کرتے ہوئے روح کی تقویت درکار ہوتی ہے کیونکہ بقول درد:۔

''نفس کی مخالفت روح کے معاملات کو تقویت پہنچاتی ہے اور نفس کی اطاعت سے روح کی قوت میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور ایک ساتھ دونوں کی کامیابی مشکل ہے اور نفس شکنی آدمی کو کمال تک پہنچاتی ہے۔''(۵)

دردؔ نفس ناطقۂ انسانی کے دنیاوی آلائشوں سے الگ رہنے کو خدا سے ملنے کا سبب گردانتے ہیں اور ان کے نزدیک اسی خوبی کی وجہ سے انسان تزکیہ نفس کرتے ہوئے قربِ خداوندی کا مستحق ٹھہرتا ہے۔اُن کے ہاں نفس کے مقابلے میں اپنا ہدف پہچاننے والی روح کی اہمیت کا واضح شعور موجود ہے وہ باطنی حوالے سے زرخیز انسان کا مقام بہت بلند دیکھتے ہیں۔اشعار دیکھئے:۔

باوجود یہ کہ پر و بال نہ تھے آدم کے
وہاں پہنچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا

(دیوانِ دردِ اُردو، مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی، ص ۱۲۳)

؎ ہے عشق سے میرے ہی تیرے حسن کا چرچا
میں کچھ نہیں پر گرمی بازار ہوں تیرا **(ایضاً، ص ۱۳۵)**

اُردو کی شعری روایت میں شخصی حکومتوں کے زیرِ اثر اور غزل کے روایتی مجازی مضامین بیان کرتے ہوئے عاشق کی جو عزتِ نفس مجروح ہوئی صوفیانہ شاعری نے اس کے برعکس انسان کو صرف خالقِ کل کے سامنے جھک کر انسان کا وقار بلند کیا درد جیسے صوفی کے ہاں احترامِ انسانیت اور عظمتِ آدم کا بیان جا بجا موجود ہے۔

دردؔ کے نزدیک دردِ دل اٹھانے کے واسطے پیدا کئے جانے والے انسان کا رتبہ فرشتوں سے کہیں بڑھ کر ہے اور یہ مقام خود خدا نے اسے اپنا نائب بنا کر عطا کیا ہے۔ درد کے نظریہ تصوف کے مطابق جیسے جیسے انسان پر احساسِ بندگی اور نیابت کا ادراک واضح ہوتا جاتا ہے ویسے ویسے خودی اور خدائی میں فاصلے کم ہوتے جاتے ہیں۔

اس ضمن میں دردؔ کے اشعار ملاحظہ ہوں:۔

؎ انساں کی ذات سے ہی خدائی کے کھیل ہیں
بازی کہاں بساط پہ گر شاہ ہی نہیں **(ایضاً، ص ۱۶۵)**

؎ دریائے معرفت کے دیکھا تو ہم ہیں ساحل
گر وار ہیں تو ہم ہیں اور پار ہیں تو ہم ہیں **(ایضاً، ص ۱۷۰)**

راہِ سلوک میں معرفت اور اسرار و رموز سے آگاہی میں دل کی نظر درکار ہے دردؔ کے ہاں دل انسانی جسم کا قیمتی عضو ہے کیونکہ دل کی آنکھ جو کچھ دیکھ سکتی ہے علم و دانش اور تعقل کی رسائی وہاں تک ہو ہی نہیں سکتی۔ عقل و عشق کے تقابل کا جو فلسفہ اردو شاعری میں اقبال کے ہاں بہت بعد میں آیا درد کی شاعری میں عقل کے برعکس عشق کو ترجیح دینے کا رجحان اقبال سے پہلے بہت واضح انداز میں موجود ہے اگرچہ یہ تصور فارسی شعری روایت سے مستعار ہے مگر اردو شاعری میں درد نے اپنے کلام میں اسے سب سے پہلے تفصیل سے بیان کیا۔ اشعار ملاحظہ ہوں:۔

؎ باہر نہ آسکی تو قیدِ خودی سے اپنی
اے عقلِ بے حقیقت دیکھا شعور تیرا **(ایضاً، ص ۱۱۶)**

؎ بند احکامِ عقل میں رہنا
یہ بھی اک نوع کی حماقت ہے **(ایضاً، ص ۲۲۲)**

درد کے نزدیک احساسِ گناہ سے آنسو بہانے والی آنکھ اور ہر کسی کے دُکھ میں دُکھی ہوجانے والا دل حقیقت تک رسائی کے دروا کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

''اپنے دل کے دروازے کو فکرمندی کے ساتھ کھول تا کہ اس گھر کا دروازہ تجھ پر کھل سکے۔'' (نالۂ درد،ص۱۰۲)

ایک جگہ اور فرمایا:۔

''دل کا گداز باطن کے چراغ کا تیل ہے کہ یہ چراغ کو روشن رکھتا ہے اور رقتِ قلب رحمت کی بارش کا سبب بنتی ہے اور خدا کی رحمت کو جوش میں لاتی ہے پس اگر تیرا دل روشن ہے تو اسے شمع کی طرح پگھلا اور اگر تیرے پاس دیکھنے والی آنکھ ہے تو اسے گریہ زاری کی عادت ڈال۔'' (نالۂ درد،ص۹۸،۹۹)

انسانی دل جو خانۂ خدا ہے اس عشق کی آماجگاہ بھی ہے جو نظامِ تصوف کی استحکامیت میں مرکزی کڑی کی حیثیت رکھتا ہے اور یہی وہ فعال اور حرکی جذبہ ہے جو بے بال و پر انسان کو علویت وارفعیت عطا کر کے معرفت بخشتا ہے۔

؎ دل میرا باغ دل کشا ہے مجھے
دیدہ جامِ جہاں نما ہے مجھے **(دیوانِ درد،ص۲۱۰)**

اٹھارویں صدی کی اردو شاعری میں عشق ایک تخلیقی قوت کے طور پر موجود تھا۔

عہدِ درد کی تہذیب میں عشق کی دو جہتیں ہیں ایک عشق 'عشقِ مجازی' ہے جہاں جسم کا احساس غالب ہے اور ایک عشق 'عشقِ حقیقی' ہے جہاں روح ایک چراغ کی طرح روشن ہے۔ اپنے ہم عصروں کے برعکس درد کے تصورِ عشق میں جو حرکی توانائی ہے اس نے خالقِ کل کی محبت ہی سے تقویت حاصل کی ہے۔ اس عشق میں سود و زیاں کا احساس نہیں ہے اور نہ ہی کم نصیبی کا رونا رویا جاتا ہے بلکہ درد کے ہاں اس ضمن میں ایک گہری طمانیت اور راحت دکھائی دیتی ہے اور ہجر و فراق کی کیفیت بھی درد کے لیے لذت کا باعث ہے۔

؎ عشق ہر چند مری جان سدا کھاتا ہے
پر یہ لذت تو وہ ہے جی ہی جسے پاتا ہے **(ایضاً،ص۲۱۹)**

لکھتے ہیں:۔

''درد اگرچہ ٹھنڈے مزاج کا آدمی ہے لیکن ایک جنون ضرور اس کے سر پر سوار رہتا ہے اور اس خشک مزاجی کے باوجود عشق کے شعلے کی گرمی اس کے پہلو میں ہے۔'' (نالۂ درد،ص۲۴)

درد کے عشق میں جو قناعت اور طمانیت ہے۔ محبت الٰہی کی دین ہے جہاں ہجر و فراق کا غم بھی غم نہیں رہتا بلکہ ریاضت و عبادت بن جاتا ہے۔ مزید فرماتے ہیں:۔

''عشق کے مذہب میں نیکی اور برائی کا تصور اور ہے ان کا کعبہ اور مندر بھی الگ ہوتا ہے۔ اے زاہد تجھے باغ بہشت سے پھول چننا مبارک ہو ہمارے لیے تو دوست کی ہستی ہی بہت ہے۔'' (نالۂ درد، ص ۲۱)

جس طرح نقشبندیہ سلسلے میں ''طریق محمدیہ'' کی اختراع میر درد کے والد خواجہ ناصر عندلیب کی تھی۔ اسی طرح سماع وغنا کی پسندیدگی بھی خالصتاً انہی کے وسیلے سے درد کو ملی۔

اگرچہ نقشبندیہ سلسلہ سماع اور غنا کے حق میں نہیں تھا مگر درد کے ہاں سماع کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔ ان محفلوں کو تنقید کا نشانہ بھی بنایا گیا۔ مگر حقیقت میں درد تصوف وسلوک کی بنیاد سماع پر نہیں رکھتے اور نہ ہی سماع کو تصوف کا لازمی جزو قرار دیتے ہیں بلکہ محتاط اور متوازن رویہ اپناتے ہوئے اسے بزرگوں کی روایت سمجھتے ہیں۔

تصوف کے مختلف مسالک سے تعلق رکھنے والے صوفیاء کے ہاں موسیقی سے دلچسپی ملتی ہے۔ چشتی صوفی بابا فرید گنج شکر کا کی طرح دوسرے صوفیائے چشت اور سہروردی سلسلہ سے تعلق رکھنے والے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی بھی موسیقی سے لگاؤ رکھتے تھے۔ درد کے نزدیک دنیا کی ناپائیداری کا احساس ہی دل سے دنیاوی آلائشوں کی حرص وہوس کو مٹانے کا باعث بنتا ہے۔ تصوف کی دنیا میں دنیاوی مال ومتاع سے منہ موڑنا ہی باطن کے چہرے کو روشن کرنے کا وسیلہ بنتا ہے۔ اشعار دیکھئے:۔

؎ باور نہیں ابھی تجھے غافل پہ عن قریب
معلوم ہووے گا کہ یہ عالم فسانہ تھا **(دیوانِ درد، ص ۱۴۰)**

؎ چمن میں صبح یہ کہتی تھی ہو کر چشم تر شبنم
بہارِ صبح تو یوں ہی رہی لیکن کدھر شبنم **(ایضاً، ص ۱۵۸)**

نظامِ تصوف میں جبر واختیار ایک اہم مسئلہ ہے جس پر بحث ومباحثہ ہوتا رہتا ہے۔ انسان کے مجبور محض اور مختار کل ہونے کا مسئلہ نزاعی نوعیت کا ہے۔ دردؔ بھی اس مسئلے کی پیچیدگی سے آگاہ ہیں وہ اسے ایسا مسئلہ نہیں سمجھتے جس پر دنیاداروں میں جھوٹا بڑا اظہار خیال کر سکے۔

دردؔ کے صوفیانہ مسلک میں مختار کل اور قادرِ مطلق صرف خالقِ کائنات کی ذاتِ مبارکہ ہے ہر چیز اسی ہی کے قبضے میں ہے وہی صبا کو یہ اختیار بخشنے کا اہل ہے کہ وہ چمن میں ڈالیوں اور پتوں کو ہلا سکے ورنہ اس کائنات کی کوئی بھی چیز اس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتی۔ جبر واختیار کے نقطہ نظر کا بیان درد کے اشعار میں دیکھئے:۔

؎ کب اختیار اپنا جوں گل ہے اس چمن میں
گل چیں سے کیا چلے ہے کیا زور باغباں پر **(ایضاً، ص ۱۴۸)**

؎ تحریک ہے یہ اُس یدِ قدرت کی ورنہ کب
بے دست و پا صبا سے کوئی پات ہل سکے **(ایضاً،ص۲۰۰)**

دردؔ کے خیال میں انسان خدا کی مرضی اور حکم کا تابع ضرور ہے مگر صالح اعمال اور نیک افعال کچھ معاملات میں اسے کچھ اختیار بھی دلا سکتے ہیں گویا انسان کا مکمل طور پر مجبور محض ہونا اور کسی حد تک مختار ہونا اس کی اپنی نیت اور اپنے عمل پر منحصر ہے۔

؎ وابستہ ہیں ہمیں سے گر جبر و گر قدر
مجبور ہیں تو ہم ہیں مختار ہیں تو ہم ہیں **(ایضاً،ص۱۷۰)**

تصوف کی بنیاد جن آٹھ صفات پر رکھی گئی ہے ان میں سے ایک فقر و درویشی ہے۔ اہلِ معرفت کے ہاں فقیری اس مالداری سے کہیں بڑھ کر ہے جس میں غفلت اور تکبر ہو اور اس سے انسان کا دین اور ایمان جاتا رہے۔ درد کی فارسی اور اردو شاعری میں فقر و غنا اور درویشی کا بیان صوفی کی ایک بڑی صفت کے طور پر ملتا ہے۔ وہ قناعت، فقر اور توکل کے آگے دنیاوی جاہ و جلال کو ہیچ سمجھتے ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

''اے درد بے سروساماں ہونا آزادی کا ضامن ہے اور جو کوئی ساز و سامان رکھتا ہے وہ اس کے بوجھ تلے دب جاتا ہے۔'' (نالۂ درد،ص۹۷)

ایک اور جگہ لکھا:۔

''درویش جو خدا کے محبوب ہوتے ہیں ان کی حالت معشوق کی زلف کی طرح ہوتی ہے۔ زلف جس قدر پریشان ہوگی اسی قدر خوشنما ہوگی درویشوں کی پریشان حالی بھی ان کے جمال میں اضافے کا باعث ہوتی ہے۔'' (نالۂ درد،ص۹۳)

درد کے صوفیانہ مسلک میں دلی یکسوئی اور خودداری درکار ہے تاکہ درویشی و گدائی میں بھی شہنشاہیت کا احساس رہے:۔

؎ شاہ و گدا سے اپنے تئیں کام کچھ نہیں
نے تاج کی ہوس نہ ارادہ کلاہ کا **(دیوانِ درد،ص۱۲۶)**

صوفیا کے ہاں نام نہاد زاہدوں کے برعکس خدا کے جابر و قہار ہونے کی نسبت اس کے رحمٰن و رحیم ہونے کا احساس زیادہ مستحکم ہے۔ دردؔ صوفیانہ مسلک میں خدا کی ہستی ایک نرم دل اور نرم خو دوست کی ہستی ہے جو ہر طرف اپنی محبت اور فضل و عنایت کی بارش برسانے میں مصروف ہے۔ اس لیے ان کے ہاں ہر نوع کی خواہش اور ہر قسم کا خوف ان کے دل سے مٹ گیا ہے اور اطمینان کی وہ کیفیت ہے۔ اس مضمون کا شعر دیکھئے:۔

؎ نہ مطلب ہے گدائی سے نہ یہ خواہش کہ شاہی ہو
الٰہی ہو وہی جو کچھ کہ مرضیٔ الٰہی ہو **(ایضاً،ص۱۸۷)**

راہِ سلوک میں درد کی حقیقت و معرفت سے آگاہی نے ان کے ہاں ایسی کیفیت پیدا کر دی ہے جہاں غم اور خوشی کا تصور مٹ کر ایک ہو گئے ہیں اور سود زیاں کے احساس کا شائبہ تک نہیں۔ دراصل یہ قناعت، راحت اور سکون کا وہ مرحلہ ہے جو صوفی پر بہت ریاضت و عبادت، ضبطِ نفس اور باطنی تطہیر کے بعد آتا ہے۔ قناعت اور سیری کی اس کیفیت کا اظہار درد کی شاعری میں بیشتر مقامات پر ملتا ہے۔

؎ شادی کی اور غم کی ہے دنیا میں ایک شکل
گل کو شگفتہ دل کہو تم یا شکستہ دل **(ایضاً، ص۱۵۵)**

نظامِ تصوف میں سالک جب راہِ سلوک میں قدم رکھتا ہے تو اس کے ذہن میں خدا، کائنات اور انسان سے متعلق بہت سے استفسارات ہوتے ہیں پھر اس کی ریاضت آہستہ آہستہ حقیقتوں کے راز اس پر منکشف کرتی جاتی ہے۔ کھوج اور تجسس کے اس سفر میں اس کا مقصود صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے۔ وہ اپنی محبت اور عقیدے کے ساتھ ایک تنقیدی شعور لے کر آگے بڑھتا ہے۔ درد کے ہاں بھی ایسے استفسارات کا کھوج لگایا جا سکتا ہے۔ اشعار دیکھئے:۔

؎ ہر آن ہے واردات دل پر
آتا ہے یہ قافلہ کہاں سے **(ایضاً، ص۲۰۷)**

؎ ظاہر ہے تجھی سے تو یہ عالم
تو مجھکو بتا کہاں چھپا ہے **(ایضاً، ص۲۶۳)**

مگر جیسے جیسے ان پر کائنات کے پوشیدہ راز منکشف ہوتے جاتے ہیں خدا کائنات اور انسان کے متعلق ان کا نقطہ نظر واضح ہوتا جاتا ہے۔ درد کے ہاں خدا کی وحدانیت، قادرِ مطلق اور مختارِ کل ہونے کا شعور واضح ہے اور خدا کی یکتائی اور اس کی بقا اور لازوال ہونے کے اس تصور میں دنیا کی کثرتیں کسی طور حائل نہیں ہیں یہ نشانِ حق اتنا پکا ہے کہ ان مٹ ہے۔

؎ وحدت نے ہر طرف تیرے جلوے دکھا دیئے
پردے تعینات کے جو تھے اٹھا دیئے **(ایضاً، ص۱۹۷)**

؎ ہووے کب وحدت میں کثرت سے خلل
جسم و جاں گود دو ہیں پر ہم ایک ہیں **(ایضاً، ص۱۷۰)**

درد کی شاعری میں نظریہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود دونوں کا پتہ چلتا ہے۔ درد نے شریعت، طریقت اور حقیقت و معرفت کے مدارج طے کئے ہیں اسی لیے ان کی شخصیت میں ایک توازن اور احتیاط ہے۔ ان کی محتاط شخصیت خدا کے ادراک اور اس کی معرفت کو اولین طور پر مطمع نظر رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی مسئلے میں الجھ کر راہ میں گم ہو کر منزلِ مقصود سے ہٹ جانا انہیں کسی طور گوارا نہیں۔ اسی لیے تصوف میں جبر و قدر، وحدت الشہود اور وحدت

الوجود جیسے نزاعی مسائل کو بھی بہت آسانی اور عمدگی سے سلجھا دیتے ہیں۔

کلیم الدین احمد جیسے نقاد بھی ان کے اس طرزِ اظہار کی تعریف میں لکھتے ہیں:۔

''مختصر مگر جامع پیرایہ میں وہ مشکل سے مشکل اور عمیق سے عمیق خیالات کو ادا کرتے ہیں جس سے اکثر حیرت ہوتی ہے۔''**(۶)**

دردکا خدائی شعور اس مقام پر ہے جہاں وہ دنیا کو ایک میدان سمجھتے ہیں اور خدا کو اس کے حسن کی تجلیوں کا مظہر اور کائنات اُن کی چشم بینا کو خالقِ کل کے جلووں سے پُر دکھائی دیتی ہے۔لکھتے ہیں:۔

''یعنی جب حضرت جل سلطانہ نے ایجاد کائنات کی طرف توجہ فرمائی تو ہر چیز وجود میں آئی اور وہی نور واجب تھا جو امکان کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔'' (نالۂ درد، ص۳۷)

درد کے ہاں یہ معرفتِ حقیقت کا وہ مقام و مرتبہ ہے جہاں کائنات کی ہر چیز اس ذات کی شہادت دیتی نظر آتی ہے۔ظاہر اور غیب میں صرف اُسی کی جلوہ فرمائی ہے۔زمین و آسمان میں اسی کا ظہور ہے اور مظاہرِ فطرت اُسی کی موجودگی کا پتہ دے رہے ہیں۔اور یہ ادراک ایک سچی آواز بن کر درد کی شاعری میں جا بجا بولنے لگتا ہے۔ان کی شاعری سے کچھ مثالیں دیکھئے:۔

؎ ہے جلوہ گاہ تیرا کیا غیب کیا شہادت
یاں بھی شہود تیرا واں بھی حضور تیرا **(دیوان درد، ص۱۱۶)**

؎ تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا
برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا **(ایضاً، ص۱۳۰)**

؎ ہے غلط گر گمان میں کچھ ہے
تجھ سوا بھی جہان میں کچھ ہے؟ **(ایضاً، ص۲۰۴)**

؎ گر معرفت کا چشم بصیرت میں نور ہے
تو جس طرف بھی دیکھے اسی کا ظہور ہے **(ایضاً، ص۲۴۵)**

دردکا تجربہ ایک صوفی کا تجربہ ہے جو خالصتاً روحانی ہے اور اس روحانی واردات میں درد کا مطلوب و مقصود خدا تعالیٰ کی ہستی ہے۔درد کے ہاں خدا کا تصور اشرف المخلوقات انسان سے جڑا ہے۔دردؔ خدا کا صحیح ادراک رکھنے والے بندے اور خدا کے رشتے سے متعلق بات کرتے ہوئے دونوں کی اہمیت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔عبودیت کا مقام ان کے نزدیک الوہیت سے کم سہی مگر وہ صوفی کے مشاہدے کو اتنا تخلیقی اور پر اثر سمجھتے ہیں کہ یہ خدا اور انسان کے درمیان فاصلے کم کرنے کی صلاحیت پالیتا ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس کی صورت سے ربِ حقیقی کی حقیقت جلوہ گر ہونے لگتی ہے۔اپنے رسالے میں اس روحانی کیفیت سے متعلق لکھتے ہیں:۔

''میں اور دوست اگر چہ ایک دوسرے کے مقابل ہیں لیکن آئینے اور عکس کی طرح مجھ
میں اور اس میں کوئی فرق نہیں۔'' (نالۂ درد، ص ۷۰)

خدا اور صوفی کے مابین اس اٹوٹ اور گہرے بندھن سے متعلق درد اپنے شعر میں یوں گویا ہوتے ہیں:۔

؎ جو ہوئے ہیں قرار آپس میں
میں ترا اور تو ہے میرا گواہ **(دیوانِ درد، ص ۱۹۲)**

راہِ سلوک میں رب سے بقا پانے کا واحد ذریعہ سالک کی ذات کا فنا ہے۔ خواجہ میر درد کے صوفیانہ مسلک میں سالک کی ذاتی ریاضت کے بعد فنا کے تین درجے ہیں۔ فنا فی الشیخ، فنا فی الرسولؐ اور تیسرا فنا فی اللہ سالک کے لیے رب حقیقی کا حصول ان تینوں مدارج سے گزرے بغیر ممکن نہیں۔ دردؔ کے صوفیانہ مسلک میں سالک جب فنا فی الشیخ کے درجے سے ترقی پالے تو وہ مرشد کی ذیل سے نکل کر فنا فی الرسول کے مرتبے کو پہنچ جاتا ہے اور اس درجے میں اتباعِ رسولؐ پر ثابت قدمی اُسے فنا فی اللہ سے ہمکنار کرتی ہے۔ فنا فی اللہ کی یہ کیفیت وہ حالتِ نزولی ہے جو سالک کو مطلوب و مقصود ہے۔ فنا فی اللہ کی حالت میں رو بہ حق ہوتا ہے اور مکمل اکمل اسی سالک کہتے ہیں جو حالتِ نزولی میں رہے اور فنا فی الرسول میں اس کی مستقل مزاجی اسے اس مقام پر لے آتی ہے جب اسے مرشد کی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ اس کا رابطہ براہِ راست اپنے رب سے جڑ جاتا ہے۔ **(۷)**

درد کی صوفیانہ شاعری میں اثر و تاثیر کے حوالے سے کچھ ناقدین نے کمی کی شکایت کی ہے۔ ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی نے لکھا کہ درد کی وجہ شہرت عشقِ حقیقی ہے مگر اس میں وہ جوش اور زور و اثر نہیں جو عشق مجازی کا طرہ امتیاز ہوتی ہے۔ اس لیے یہ نہ تو عام فہم ہے اور نہ ہی دل دوز۔ **(۸)**

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے درد کی اردو صوفیانہ شاعری کا موازنہ عراقی، خسرو اور سرمد کی فارسی صوفیانہ شاعری سے کیا۔ ان کے صوفیانہ تجربے میں جذبہ و استغراق، مستی و سرشاری اور سوز و ساز کی حدت کم ہونے کی رائے دی اور مزید کہا کہ درد کی شاعری صوفیانہ تصورات کا شعوری سطح پر اظہار کرتی ہے اور صوفیانہ جذب و استغراق کی تخلیقی سطح سے ہٹی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ **(۹)**

ان تنقیدی آراء کی روشنی میں درد کی صوفیانہ شاعری پر جو اعتراضات سامنے آتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:۔

☆ درد کی صوفیانہ شاعری عام فہم نہیں اور اس میں جوش اور زور و اثر کی کمی ہے۔

☆ درد کی شاعری صوفیانہ تصورات کا شعوری سطح پر اظہار کرتی ہے اور صوفیانہ جذب و استغراق کی تخلیقی سطح سے ہٹی ہوئی ہے۔

☆ درد کی صوفیانہ شاعری فارسی صوفی شعراء کی شاعری سے کم اثر ہے۔

ان اعتراضات کے جواب میں درد کی شاعری سے کچھ مثالیں دیکھئے:۔

؎ گل و گلزار خوش نہیں آتا
باغِ بے یار خوش نہیں آتا **(دیوانِ درد،ص۱۳۸)**

؎ کچھ کشش نے تیری اثر نہ کیا
تجھکو اے انتظار دیکھ لیا **(ایضاً،ص۱۴۱)**

؎ وہ میرے چاہنے کو کیا جانے
یہ سندیسہ سنا دیا کس نے **(ایضاً،ص۱۹۶)**

؎ بے طرح کچھ اُلجھ تھا دل
بے وفائی نے تیری سلجھایا **(ایضاً،ص۱۲۰)**

؎ بازی بِدی تھی اس نے میری چشم تر کے ساتھ
آخر کو ہار ہار کے برسات رہ گئی **(ایضاً،ص۲۳۵)**

درد کے دیوان سے اس طرح کے سینکڑوں پر معنی، سوز و گداز سے بھرپور اور سادہ و عام فہم اشعار مثال کے طور پر پیش کئے جاسکتے ہیں۔ان اعتراضات کے جواب میں ڈاکٹر جمیل جالبی کا تنقیدی تجزیہ قابلِ غور ہے لکھتے ہیں:۔

> ''درد کی شاعری ایسے پر اثر انداز میں صوفیانہ تصورات کا اظہار کرتی ہے کہ درد اور تصوف ایک ہوجاتے ہیں اور یہی ان کی انفرادیت ہے ان اشعار میں اگر ہمیں اثر و تاثیر کی کمی کا احساس ہوتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ناواقفیت کی بنا پر تصوف کے اشارے ہم سے ابلاغ نہیں کرتے ورنہ یہ وہ اشعار ہیں جن پر اہلِ تصوف اپنے جذبات و واردات کی ترجمانی دیکھ کر سر دھنتے ہیں ان اشعار کا مقابلہ ولی، مظہر اور میر وسودا کے اس نوع کے اشعار سے کیجئے تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ ایک ایسی شاعری ہے جو اس سے پہلے اردو میں نہیں ہوئی اور اس سطح پر کوئی دوسرا شاعر میر درد کو نہیں پہنچتا۔''**(۱۰)**

درد کے صوفیانہ مسلک میں مذہبی شعور اور روحانی تجربے میں ایک توازن ہے جو انہیں طریقِ محمدی کے دائرے سے باہر نہیں نکلنے دیتا۔احکام خداوندی کی بجا آوری ہر جگہ اس کی جلوہ گری، اس کے مختار کل ہونے کا شعور، اتباعِ رسول، خلقِ خدا کی خدمت کی تدریس پیر پرستی، نظریہ وحدت الشہود و وحدت الوجود پر اعتقاد، عظمت انسانی کا ادراک، ناپائیداری دنیا کا احساس اور فقیری کی حالت میں بھی شہنشاہیت کا مشاہدہ کرنا یہ تمام صفات ایسی ہیں جو نہ صرف درد کی ذات کا حصہ ہیں بلکہ یہ تمام صفات ایک خوبصورت فنی سلیقہ مندی سے ان کی نثری و شعری تصانیف میں بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ اکثر صوفیا کے ظاہری عمل پر ناقدین انگلیاں اٹھاتے ہیں۔اس سلسلے میں

رجعت پسند دینی علماء دین وشریعت میں تصوف کی گنجائش کی عدم موجودگی کو پیش نظر رکھتے ہیں جبکہ تعقل پسند مفکرین صوفی کے روحانی تجربے کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔تصوف کے نظام میں طریق محمدی کی ایجاد نے صوفی کو ایک باعمل انسان کے طور پر پیش کیا جو آپ ؐ کی اتباع میں ایک باکردار اور باعمل زندگی گزارتا ہے۔

درد کے صوفیانہ مسلک میں ایک روشن خیالی ہے جو رجعت پسند دینی علماء کے ہاں نظر نہیں آسکتی۔ یہاں مذہبی تعصب نام کو نہیں۔کشادہ دلی اور وسعت قلبی ونظری کا خوبصورت اظہار ہے۔ یہاں وہ صرف خدا کی محبت کے داعی ہیں اور مخلوقِ خدا سے بہترین معاملات کے پروردہ۔لکھتے ہیں:۔

''میں نہ مسجد کی بنیاد رکھ رہا ہوں اور نہ کلیسا یا بتکدہ بنا رہا ہوں۔کفر ودین سے ہٹ کر میں لوگوں کو ہدایت کرتا ہوں اور جو تعمیری کام میرے ذمہ آن پڑا ہے میں اُسے انجام دیتا ہوں۔''(۱۱)

ان کے اشعار میں بھی اس کیفیت کی آئینہ داری کثرت سے مل جاتی ہے۔دیکھئے:۔

؎ بستے ہیں تیرے سائے میں سب شیخ و برہمن
آباد ہے تجھ سے ہی گھر دیر و حرم کا **(ایضاً،ص۱۱۵)**

؎ بت پرستی ہے اب نہ بت شکنی
کہ ہمیں تو خدا سے آن بنی **(ایضاً،ص۲۴۸)**

درد کے ہاں انسان سے محبت، مذہبی رسم پرستی اور علاقائی ونسلی تعصب سے بالاتر ہے وہ فقط رسمی عبادت و ریاضت کے برعکس مخلوقِ خدا سے محبت اور ان کی خدمت کو اولیت دیتے ہیں کیونکہ اصل معرفت یہی ہے اس لیے وہ نام نہاد زاہد کو یہ تلقین کرتے ہیں۔

؎ کی بہت طریقِ زہد میں عمر تباہ
اب کیجئے دل کو معرفت سے آگاہ **(ایضاً،ص۲۵۳)**

؎ کعبے کو بھی نہ جایئے دیر کو بھی نہ کیجئے منہ
دل میں کسو کے درد یاں ہووے تو راہ کیجئے **(ایضاً،ص۲۳۹)**

؎ یارب درست گو نہ رہوں تیرے عہد پر
بندے سے پر نہ ہووے کوئی بندہ شکستہ دل **(ایضاً،ص۱۵۵)**

درد کی صوفیانہ شاعری ایک نظریہ ساز اور باعمل صوفی کی شاعری ہے جو باطنی بصیرت اور معرفت کی عکاس ہے۔درد کو فارسی زبان سے بھی گہری واقفیت اور لگاؤ تھا ان کا فارسی دیوان بھی حق ومعرفت کے مضامین سے بھرا ہے اگر ان کی صوفیانہ شاعری میں انسان اور حیات وکائنات سے متعلق خیالات کا جائزہ لیا جائے تو وہ فارسی شعری

روایت سے مستعار ہیں مگر اس کے باوجود درد کے منفرد روحانی تجربے اور ان کے اسلوب بیان نے انہیں اردو شاعری میں جگہ دے کر انہیں اردو شاعری کے پہلے باقاعدہ صوفی شاعر ہونے کا شرف بخش دیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں شمالی ہند میں درد نے صوفیانہ خیالات وتصورات کے ذریعے پہلی بار اردو میں صوفیانہ شاعری کی باقاعدہ روایت ڈالی۔ خلیل الرحمان داؤدی لکھتے ہیں:۔

> ''اردو غزلیات اور رباعیات میں تصوف کے اعلیٰ مضامین کو جس طرح درد نے سمویا ہے تمام اردو شاعری میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی اخلاقی مسائل، حقائق و معارف، واردات عشق اور انسانی فطرت کے رموز جس طرح میر درد نے اردو شاعری میں سمجھائے ہیں اور کسی کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی۔''**(۱۲)**

حوالہ جات

۱۔ فرمان فتح پوری، ''خواجہ میر درد- زندگی اور فن''، بشمول ''دیوان میر درد''، مرتب کلب علی خان فائق، آئینہ ادب، چوک مینارانارکلی، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص۱۱

۲۔ درد، خواجہ میر، ''نالہ درد''، مترجم ظفر عالم، (مرتب عبادت بریلوی)، ادارہ ادب وتنقید، لاہور، ۱۹۸۰ء، ص۱۰

۳۔ درد، خواجہ میر، ''علم الکتاب''، مترجم ڈاکٹر عبداللطیف، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص۲۳۷

۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ''تاریخ ادب اردو''، جلد دوم، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع سوم، مارچ ۱۹۹۴ء، ص۳۹۷

۵۔ درد، خواجہ میر، ''نالہ درد''، ص۲۵

۶۔ کلیم الدین احمد، ''اردو شاعری پر ایک نظر''، نیشنل بک فاؤنڈیشن، لاہور، طبع دوم، ۱۹۸۸ء، ص۱۲۵

۷۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے: میر درد، خواجہ، ''علم الکتاب''، مترجم ڈاکٹر عبداللطیف، ص۳۱۷

۸۔ نورالحسن ہاشمی، ''دہلی کا دبستان شاعری''، شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص۱۶۹

۹۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، ''اردو ادب کی تاریخ''، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص۳۵۳

۱۰۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ''تاریخ ادب اردو''، ص۴۹۷

۱۱۔ درد، خواجہ میر، ''نالہ درد''، ص۱۲۳

۱۲۔ میر درد، خواجہ، ''دیوانِ درد''، مرتبہ خلیل الرحمان داؤدی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص۸۹

❀.....❀.....❀